3۔ سرسیّد کے اخلاق و خصائل

مولانا الطاف حسین حالیؔ (1837ء تا 1914ء)

تعارف: الطاف حسین حالی ۱۸۳۷ء میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام خواجہ ایزد بخش تھا۔ ۹ برس کی عمر میں تھے کہ والد انتقال کر گئے۔ والدہ دماغی توازن کھو بیٹھیں۔ بڑے بھائی خواجہ امداد حسین انسپکٹر تھے۔ دو بہنیں تھیں انھوں نے حالی کی پرورش کی۔ ابتدائی تعلیم میں قرآن پاک، فارسی اور عربی کی کتب پڑھیں۔ ۱۷ برس کی عمر میں، سیدہ اسلام النسا سے شادی ہوئی۔ اخراجات کا بوجھ پڑا تو حالی دلی چلے گئے اور ایک مدرسے میں پڑھنا شروع کر دیا۔ چند کتابیں پڑھی تھیں کہ گھر والے آ کر لے گئے۔ ۱۸۵۶ء میں ضلع حصار میں کلکٹر کے دفتر میں معمولی نوکری ملی۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں یہ نوکری چھوڑ کر پانی پت آ گئے۔ اس دوران منطق، فلسفہ، حدیث اور تفسیر کی کتابیں پڑھیں۔ روزگار کی فکر میں پھر دلی گئے، نواب مصطفیٰ خان شیفتہ کے بچوں کے استاد مقرر ہوئے۔ شیفتہ کی وفات کے بعد لاہور آئے تو محمد حسین آزاد سے ملاقات ہوئی۔ ان سے مل کر انجمن پنجاب کے مشاعروں کی بنیاد رکھی۔ حالی نے چار مثنویاں ''برکھارت''، ''نشاطِ امید''، مناظرہ رحم و انصاف اور ''حب وطن'' لکھیں۔ لاہور سے پھر دلی گئے اور وہاں اینگلو عربک سکول میں معلم بن گئے۔ سرسید سے ملاقات ہوئی۔ سرسید کے کہنے پر ''مسدس مد و جزر اسلام'' لکھی۔ ۱۸۸۸ء میں حیدر آباد دکن کی ریاست کی طرف سے وظیفہ مقرر ہوا، بعد میں ملازمت چھوڑ کر وظیفے پر گزارا کیا۔ وفات سے چند دن پہلے فالج کا حملہ ہوا۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۱۴ء کو انتقال ہوا اور پانی پت میں بوعلی قلندر کی درگاہ میں دفن ہوئے۔

تصانیف:۔ مولود شریف، تریاقِ سموم، مبادی علم جیولوجی، اصول فارسی، شواہد الاسلام، مجالس النساء، تذکرہ رحمانیہ حیات سعدی، یادگار غالب، حیات جاوید، مقدمہ شعر و شاعری وغیرہ سبق ''سرسید کے اخلاق و خصائل'' حیات جاوید سے ماخوذ ہے۔

مشکل الفاظ کے معانی:

صفحہ 10 ۔ اخلاق (اچھی عادتیں) خصائل (خصلت کی جمع عادتیں) دستر خوان (وہ چادر یا رومال جس پر کھانا چنا جاتا ہے) بشاش (خوش، مسرور) عید ہونا (بہت خوش ہونا) تعدد (ایک سے زیادہ، متعدد) تلون (رنگا رنگ، ایک حالت میں نہ ہونا، مختلف قسموں کا ہونا) ناک منہ چڑھانا (ناگواری کا اظہار کرنا، نفرت کرنا) ترکاریاں (سبزیاں) فواکہ (پھل، ثمر، میوہ جات) گھٹ گئی (کم ہو گئی) پاؤ پاؤ سیر (ایک سیر کا چوتھا حصہ، چوتھائی) بلا ناغہ (وقفے کے بغیر، روزانہ) ظرافت (ہنسی مذاق) خوش طبعی (خوش مزاجی) جبلت (فطرت) مطلق (بالکل، ہرگز) تصنع (بناوٹ) شرم (حیا، غیرت، لحاظ) متجاوز ہونا (حد سے بڑھنا) رفیق (ساتھی) دل بہلانا (دل کو خوش کرنا) کتاب دانی (کتاب کو غور سے پڑھنا، کتاب کو جاننا) مدرس (استاد) تراکیب (ترکیب کی جمع، کئی چیزوں کو ملا کر کوئی چیز بنانا) غائر نظر (گہری نظر سے دیکھنا) ورق (صفحہ) فائل (فہرست، خطوط رکھنے کا تار یا کتاب) فیاض (سخی، دریا دل) پانی پت (بھارت کا شہر، حالی کی جائے پیدائش) برتاؤ (سلوک) ہم سر (ہم رتبہ، برابر) جفاکشی (مشقت کی عادت) قطع نظر (اس کے باوجود، اس کے علاوہ، اس سے مستثنیٰ) قویٰ (قوت کی جمع) فطرتاً (قدرتی طور پر، فطری طور پر) لیاقت (قابلیت) استعداد (صلاحیت) دائمی (ہمیشہ کی) جودت (عقل کی تیزی، فراست) ہم چشم (ایک جیسا رتبہ رکھنے والا، دوست، ساتھی) امتیاز (فرق تمیز) ودیعت کیے تھے (عطا کیے تھے) جلا ہو گئی (روشن ہو گئی)

صفحہ 11 ۔ خطبات احمدیہ (سرسید کی ایک کتاب جو مختلف یورپین تاریخ دانوں کے اسلام کے بارے میں مضامین کا ترجمہ ہے) محنت شاقہ (سخت محنت) اخیر دم تک (آخر تک) زائل نہیں ہوا (ختم نہیں ہوا) سائنٹیفک سوسائٹی (انگریزی کتب کے ترجمے کرنے کے لیے سرسید کا قائم کردہ ادارہ) کچہری (عدالت) خس کی ٹٹی (ایک خوش بودار گھاس کی جڑوں سے بنا ہوا چھپر یا پردہ) چہل (ہنسی مذاق) تکان (تھکاوٹ) ماندگی (سستی، تھکاوٹ) ملال و کلال (رنج و غم) تا بہ مقدور (جہاں تک ہو سکے) ... وجاہت (شہ

سے باہر کی بستیاں، دیہات، قصبے) راست بازی (حق گوئی، سچی بات کہنا، سچ بولنا) اوصاف (وصف کی جمع، خوبیاں) راست باز (سچا، سچ بولنے والا، حق گو) صدق مؤدت (سچی دوستی) حمیت (غیرت) دلیری (بہادری) آزادی (عزتِ نفس) طعن وملامت (لعنت ملامت، بُرا بھلا کہنا) اتفاق کرنا (متفق ہونا، حق میں ہونا) شاق (صدمہ، گراں، مشکل) فی الواقع (درحقیقت) معمولی آدمی (عام آدمی) بدرجہ غایت (حد درجہ) لگاؤ (محبت، پیار) داغ تازہ ہونا (صدمہ یا غم تازہ ہوجانا) متغیر (تبدیلی، بدلنا) وابستگی (تعلق، لگاؤ) خفگی (ناراضی، غصہ) الفت (محبت، قریبی تعلق، قربت) انسیت (اُنس، پیار، محبت) آرٹیکل (Article) (مضمون) اسپیچ (Speech) (تقریر) پرائیویٹ (ذاتی، نجی) دل اُمڈنا (رونے کے قریب ہونا، دل بھر آنا)

صفحہ 12۔ ذکی الحس (بہت حساس، نازک مزاج) تازیانہ (چابک) سناٹا (خاموشی، سکوت) ناسور (وہ زخم جو ٹھیک نہ ہو) نرالا (انوکھا، عجیب) مدار (انحصار) فی الواقع (درحقیقت) عنصر (حصہ، ضروری جزو) ذکرِ خیر کرنا (اچھے انداز میں یاد کرنا) رشتہ وقرابت (قریبی رشتہ دار) جبلی (فطری، قدرتی) مقتضا (تقاضا، مناسبت) لگے بندھے (تعلق رکھنے والے) جم گئے (ٹھکانا بنایا) دل سے نہ اُترا (نظروں سے نہ گرا) سفروحضر (ہر جگہ) حضر (قیام) ہمراہ (ساتھ) رفاقت (ساتھ، ہمراہی) سیر چشمی (قناعت، بے پروائی فراخ حوصلگی (کھلے دل والے، حوصلہ مند، دل کا غنی ہونا) آسائش (آرام) خبر گیری (دھیان رکھنا) مستحق (حق دار) جس کام کی لہران کے دل میں اٹھی (جس کام کا خیال دل میں آیا) پس وپیش کرنا (ٹال مٹول کرنا) مضائقہ نہیں کیا (حرج نہ کیا، تنگی محسوس نہ ہونا) دستگیری (مدد کرنا، ساتھ دینا، ہاتھ پکڑنا) جواں مردی (دلیری، بہادری) فیاضی (سخاوت) ادنیٰ (معمولی، چھوٹا سا)

صفحہ 13۔ مقیم (ٹھہرنا، قیام کرنا، رہنا) خانگی (گھریلو) گوشوارا (حساب کتاب کا چارٹ، فہرست، نقشہ) فلاح (نجات، بہتری بھلائی) متوجہ ہونا (توجہ کرنا، دیکھنا) تحمل (برداشت) عالی ظرف (بلند حوصلہ) حوصلہ (ہمت) عفو (معاف کرنا) اغماض (چشم پوشی کرنا بھلانا) سرشت (عادت، فطرت) ملکات (ملکہ کی جمع، صلاحیتیں، عادتیں، سیرتیں) درگزر کرنا (معاف کرنا) حاکمانِ وقت (وقت کے حاکم) عُرفی (عام، مشہور) قطعی مایوس (بالکل نا امید) موہوم (معمولی، جس کا وجود نہ ہو) ذلت (رسوائی) دھن (دولت) تن (جسم) من (مرضی، دل) دھن، تن، من قربان کرنا (سب کچھ وار دینا)

سبق کا خلاصہ

(بہاول پور 12، 2008، لاہور 2011، 2008، سرگودھا 12،13۔)

سرسید کے دسترخوان پر ہر وقت دوستوں اور مہمانوں کا ہجوم رہتا تھا۔ کھانا بغیر اعتراض کے کھا لیتے تھے۔ ترکاریاں، آم اور خربوزے پسند تھے۔ کھانے کے بعد آدھا سیر دودھ دونوں وقت پیتے تھے۔ فطری طور ہنس مکھ اور خوش طبع تھے۔ مزاح میں حدِ تہذیب سے تجاوز نہ کرتے تھے۔ بچپن سے مطالعے کے شوقین تھے۔ مطالعہ صرف مصنف کے خیالات سے آگہی کے لیے کرتے۔ اہم بات پر پنسل سے نشان لگا دیتے۔ خطوں کا جواب دینے میں نہایت فیاض تھے۔

محنت اور جفاکشی اُن کی نمایاں خوبی تھی۔ خود اُن کے اپنے بیان کے مطابق دائمی غور وفکر اور دماغی محنت نے اُن کی عقل کو جلا بخشی، ورنہ ذہانت کے لحاظ سے وہ اپنے ہم چشموں سے زیادہ ممتاز نہ تھے۔ محنت کا یہ عالم تھا کہ خطباتِ احمدیہ کے لکھنے میں ڈیڑھ برس اس قدر سخت محنت کی کہ پاؤں میں لاعلاج مرض پیدا ہو گیا۔ سخت لو اور گرمی کے باوجود سائنٹیفک سوسائٹی کے مکان کی تعمیر میں خود نگرانی کی۔ جب کام سے فارغ ہوتے تو ہنسی اور دل لگی بھی کر لیا کرتے تھے۔ اس میں بچوں، بوڑھوں، احباب ملازمین، انگریزوں، ہندوستانیوں میں کوئی تفریق نہ تھی۔ اُن کی اچھی صحت کا راز زندہ دلی تھا۔ اُن کی گفتگو بچوں اور بوڑھوں دونوں کا دل موہ لیتی تھی۔

سچائی سرسیّد کی خاص صفت تھی۔ اُن کی آزادانہ تحریروں سے اُردو ادب میں سچائی اور آزادی کی بنیاد پڑی اور لکھنے والوں کو یہ حوصلہ ملا کہ سچ لکھتے ہوئے دوسروں کی طعن وملامت سے خوف نہ کھائیں۔ اس بات کا خیال کیے بغیر کہ کوئی اُن سے متفق ہے یا نہیں سچ بات ڈنکے کی چوٹ پر کہہ دیتے۔ راست گوئی کو جزو ایمان سمجھتے۔ اس بات سے بہت صدمہ محسوس کرتے کہ اُن پر حق گوئی کے خلاف الزام لگایا جائے۔ دوسروں سے محبت کا جذبہ بدرجہ اتم موجود تھا۔ اپنے وطن سے محبت مثالی تھی۔ قوم کی ہمدردی سے اُن کا دل معمور تھا۔ وہ اپنی قوم کو مہذب اور تعلیم یافتہ دیکھنے کے خواہاں تھے اور اس کے لیے تمام عمر کوشاں رہے۔ جنگ آزادی میں دہلی کی تباہی ان کے لیے دل کا ناسور بن کر رہ گئی تھی۔

دوستوں کے ساتھ اُن کا برتاؤ عجیب تھا۔ مخلص دوستوں کے ساتھ مل کر بہت خوش ہوتے۔ نواب محسن الملک کہتے ہیں کہ میں نے سرسیّد جیسی سچی محبت اور وفاداری دنیا میں کہیں نہیں دیکھی۔ وہ محبت کرنا اور اسے نباہنا جانتے تھے۔ جس کے ساتھ ایک دفعہ اُن کا تعلق ہو جاتا چاہے وہ کوئی ملازم ہی ہو، اس سے کبھی نہ بگاڑتے اور اس کے خلاف ایک لفظ تک سننا گوارا نہ کرتے تھے۔

سیر چشمی اور فراخ حوصلگی سرسید کے نمایاں اوصاف تھے۔ اپنی کمائی سے نہ مال اکٹھا کیا نہ ہی اولاد کے لیے کوئی جائیداد بنائی۔ مستحقین کی مدد کرتے تھے۔ اُن کی ہمدردی اور فیاضی کی مثال ایک پھل دار درخت کی سی تھی، جو اپنے پھل سے، سائے سے اور لکڑی سے غرض ہر پہلو سے لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ مخالفین اور دشمنوں کی برائیوں کو تحمل سے برداشت کرنا اُن کی خوبی تھی۔ نیک اور عاقل ماں نے اپنے بیٹے کو یہ بات سکھادی تھی کہ برائی کرنے والوں کے ساتھ برائی کرنا خود کو ویسا بنانے کے مترادف ہے۔ مسلمانوں کی طرف سے مایوس ہونے کے باوجود ان کی کوششیں ان کی زندگی کے آخری ایام تک جاری رہیں۔ انھوں نے اپنی قوم کو قعرِ ذلت سے نکالنے کے لیے اپنا تن، من، دھن قوم کی نذر کر دیا۔

مشقی سوالات

سوال 1 درست جواب کے گرد دائرہ لگائیں

(i) ''سرسیّد کے اخلاق وخصائل'' کے مصنف کا نام کیا ہے؟

✓ (الف) مولانا حالی (ب) مولانا شبلی نعمانی

(ج) خواجہ حسن نظامی (د) سیّد عبداللہ

(ii) یہ مضمون کس کتاب سے لیا گیا ہے؟

(الف) ''تاریخ ادب اُردو'' سے (ب) ''مقالات سرسیّد'' سے

(ج) ''یادگارِ غالب'' سے ✓ (د) ''حیات جاوید'' سے

(iii) سرسیّد کو کونسا پھل مرغوب تھا؟

(الف) سیب (ب) انگور ✓ (ج) آم (د) انار

(iv) سرسیّد کی مرغوب غذا کیا تھی؟

(الف) کھیر (ب) دال (ج) گوشت ✓ (د) جوش جائے

(v) سر سید کھانے کے بعد کیا پیتے تھے؟

(الف) چائے (ب) کافی ✓ (ج) دودھ (د) کچھ بھی نہیں

سوال 2 مختصر جواب دیں۔

(i) کیا سر سید خطوں کے جواب باقاعدہ دیتے تھے؟

جواب مصنف کے بقول سر سید خطوں کا جواب دینے میں نہایت فیاض تھے۔ کسی بھی مرتبے کے انسان کا خط ہوتا فوراً اور باقاعدہ جواب دیا کرتے تھے۔

(ii) کیا سر سید کو مہمانوں کی آمد ناگوار گزرتی تھی؟

جواب سر سید کو مہمانوں کی آمد ناگوار نہ گزرتی تھی بلکہ اگر ان کے دستر خوان پر کسی دن مہمان نہ ہوتے تو کھانا کھانے کا لطف نہ آتا اور جس دن زیادہ مہمان ہوتے تو اُن کے گھر عید ہوتی تھی۔

(iii) سر سید کی شخصیت کا نمایاں ترین پہلو کیا ہے؟

جواب سر سید کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار خوبیاں عطا کی تھیں لیکن ظرافت اور خوش طبعی ان کی جبلت میں داخل تھی۔ کسی بھی بات کرنے کا خدا نے ایسا سلیقہ دیا تھا کہ کوئی بات تہذیب کی حد سے متجاوز نہ ہونے پاتی تھی۔

(iv) سر سید راست بازی کو کیا سمجھتے تھے؟

جواب سر سید احمد خان راست بازی کو اپنا دین وایمان سمجھتے تھے۔ سر سید خود بھی راست بازوں کی دل سے قدر کرتے تھے۔

(v) سر سید کا دوستوں کے ساتھ برتاؤ کیسا تھا؟

جواب سر سید کا دوستوں سے برتاؤ بہت نرالا تھا۔ ان کی خوشی بلکہ ان کی زندگی کا مدار کام اور دوستوں کی ملاقات پر تھا۔ وہ فی الواقع دوستوں کو زندگی کا ایک عنصر سمجھتے تھے۔

(vi) سر سید کو کون سا پھل پسند تھا؟

جواب سر سید کو پھلوں میں آم اور خربوزے نہایت مرغوب تھے۔

(vii) سر سید کھانے کے بعد عموماً کیا پیتے تھے؟

جواب سر سید کھانا کھانے کے بعد کوئی پاؤ پاؤ سیر دودھ دونوں وقت بلاناغہ پی لیتے تھے۔

(viii) سر سید نے مطالعے کی عادت کب سے اپنائی؟

جواب سر سید نے مطالعے کی عادت ابتدا یعنی بچپن سے اپنائی تھی۔

(ix) سر سید نے خطباتِ احمدیہ کتنی مدت میں لکھی؟

جواب سر سید نے خطبات احمدیہ ڈیڑھ سال میں لکھی۔

(x) کونسی بات سر سید کو سب سے زیادہ ناگوار گزرتی تھی؟

جواب سر سید کو سب سے زیادہ جو بات ناگوار گزرتی تھی وہ یہ کہ ان پر راست بازی کے خلاف کوئی الزام لگایا جائے۔

سوال 3 متن کو پیش نظر رکھ کر خالی جگہ پر کریں۔

(i) سر سید کو اپنے کنبے سے حد سے زیادہ ______ تھا۔ (لگاؤ)

(ii) سر سید فطرتاً عالی ظرف اور ______ تھے۔ (عالی حوصلہ)

(iii) سر سید اپنی باتوں سے بڑوں بلکہ بچوں کو بھی ______ کر لیتے تھے۔ (تسخیر)

(iv) سر سید مذہبی ______ سے پاک تھے۔ (تعصب)

(v) سچ بات کہنے میں کسی کی ______ سے نہ ڈریں۔ (طعن وملامت)

سوال 4 مندرجہ ذیل الفاظ وتراکیب کی وضاحت کریں۔

الفاظ وتراکیب	وضاحت
بشاش	خوش، خوش باش ہونا
خوش طبعی	طبیعت کا خوش ہونا، زندہ دلی، ہنسی خوشی زندگی گزارنا
شرم وحجاب	لحاظ اور پاسداری، پردہ، حیاداری، پردہ داری
فیاض	سخی، اللہ کی راہ میں مال تقسیم کرنے والے کو کہا جاتا ہے
رنج وغم	دُکھ اور تکلیف، افسوس، غم، مرکب عطفی ہے

سوال 5 مندرجہ ذیل الفاظ پر اعراب لگا کر ان کا درست تلفظ واضح کریں۔

جواب خصائل۔ جبلت۔ ضبط۔ فیاض۔ متصل

سوال 6 مندرجہ ذیل الفاظ کی جمع لکھیں۔

واحد	جمع	واحد	جمع	واحد	جمع	واحد	جمع
خصلت	خصائل	لطیفہ	لطائف	عادت	عادات	ورق	اوراق
تصنیف	تصانیف						

سوال 7 مندرجہ ذیل الفاظ کے متضاد لکھیں۔

الفاظ	متضاد	الفاظ	متضاد	الفاظ	متضاد	الفاظ	متضاد
کم	زیادہ	مہمان	میزبان	ابتدا	انتہا	جواب	سوال
دائمی	عارضی						

اہم عبارات کی تشریح

عبارت نمبر 1:

دوستوں اور مہمانوں سے ان کا دستر خوان بہت کم خالی ہوتا تھا۔ جس دن کوئی مہمان نہ ہوتا وہ کھانا کھاتے وقت بشاش نہ ہوتے تھے اور جس دن زیادہ مہمان ہوتے اس دن ان کے گھر عید ہوتی تھی۔ کھانوں میں زیادہ تر تعدد اور تلون نہیں ہوتا تھا مگر کھانا عموماً عمدہ ہوتا تھا۔ اگر کسی موقع پر کھانا عمدہ نہیں ملتا تھا تو جیسا مل جاتا تھا خوشی سے بغیر ناک منہ چڑھائے سیر ہو کر کھا لیتے تھے۔ فصل کی ترکاریاں اور فواکہ خصوصاً آم اور خربوزے نہایت مرغوب تھے۔ سنا ہے کہ پہلے خوراک زیادہ تھی مگر بڑھاپے میں بہت گھٹ گئی تھی، البتہ بعد کھانا کھانے کے کوئی پاؤ پاؤ سیر دودھ دونوں وقت بلاناغہ پی لیتے تھے۔

نوٹ: (جو طلبا ہر عبارت کا الگ سے سیاق وسباق نہیں لکھ سکتے، وہ سبق ہذا میں سے دی گئی کسی بھی عبارت کی تشریح سے قبل یہ سیاق وسباق تحریر کر سکتے ہیں)

تشریح طلب اقتباس اُردو کی درسی کتاب کے سبق سے لیا گیا ہے جو مصنف کی مشہور زمانہ کتاب ''حیات جاوید'' سے منتخب کیا گیا ہے۔ مصنف سبق میں سرسید کے اخلاق وخصائل پر خوبصورت تبصرہ کرتے ہیں اور اُن کی زندگی کے چند گوشوں کو ہمارے سامنے لاتے ہیں۔ مصنف بتاتے ہیں کہ سرسید کو مطالعہ کی ابتدا سے ہی عادت تھی۔ انھوں نے اپنی مشہور زمانہ تصنیف ''خطبات احمدیہ'' ڈیڑھ برس میں لکھی۔ سرسید بچوں، بوڑھوں اور لڑکوں کے ساتھ ہمیشہ مسکرا کر ملتے تھے۔ سرسید کی عادت میں ہمیشہ اپنے خاندان کی محبت، وطن کی محبت اور دوستوں کی محبت کا جذبہ نمایاں رہا ہے۔ دشمنوں کو معاف کرنا اور دوستوں کو نوازنا سرسید کے اچھے اخلاق تھے۔ اپنے کام کو دل لگی سے کرنا اور دوسروں کا حوصلہ بڑھانا سرسید کے خاص اوصاف تھے۔

تشریح طلب اقتباس سبق کے ... سے لیا گیا ہے۔ (آغاز۔ درمیان۔ اختتام)

سیاق و سباق:

زیرِ تشریح عبارت سبق کی پہلی عبارت ہے اس لیے اس کا سیاق نہیں ہے۔

زیرِ تشریح عبارت کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ ظرافت اور خوش طبعی سرسید کی جبلت میں شامل تھی۔ مطالعہ کی عادت ابتدا ہی سے تھی۔ خطوں کا جواب دینے میں وہ نہایت فیاض تھے۔ محنت اور جفاکشی کے علاوہ غیر معمولی ذہانت بھی خاص اوصاف میں سے تھی۔ سرسید کو اپنے کنبے سے ہمیشہ خاص لگاؤ رہا۔ وطن سے محبت اور دوستوں سے وفاداری بھی ان کی فطرت میں تھی۔ مصنف کے بقول وہ ایک ایسے شخص تھے، جنھوں نے قوم کو ذلت سے نکالنے کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔

تشریح:

زیرِ تشریح عبارت میں مصنف لکھتے ہیں کہ سرسید بڑے مہمان نواز تھے۔ وہ میزبانی کے آداب سے خوب واقف تھے۔ اس لیے مہمانوں کی خاطر مدارات کر کے انھیں بے حد خوشی اور مسرت ہوتی تھی۔ سرسید کا حلقہ احباب بھی بڑا وسیع تھا کیوں کہ سرسید دوستی کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ اور دوستوں کو زندگی کا اہم اثاثہ سمجھتے تھے۔ ان کا قول تھا کہ دوستی کے آگے رشتہ و قرابت کی کچھ حقیقت نہیں۔ اس لیے بہت کم دیکھا گیا کہ ان کا دسترخوان مہمانوں اور دوستوں سے خالی ہو۔ عام طور پر کوئی نہ کوئی دوست، مہمان ان کے دسترخوان پر موجود ہوتا تھا۔ سرسیّد احمد خان علی گڑھ تحریک کی وجہ سے ہندوستان میں کافی شہرت کے مالک تھے۔ اس لیے ان سے ملاقات کے لیے دور دراز سے دوست اور مہمان آتے رہتے تھے۔ سرسیّد احمد خان ان کو شریک طعام کر کے خوشی محسوس کرتے۔

امام غزالیؒ کا فرمان ہے:

"غریب مہمان آ جائے تو قرض لے کر بھی تکلف کر کیوں کہ مہمان اللہ کی رحمت ہوتا ہے"

سرسید احمد خان کا مزاج تھا کہ جس دن ان کا شریک طعام کوئی مہمان نہ ہوتا، تو وہ کھانا کھاتے ہوئے خوش نہیں ہوتے تھے۔ اور جس دن زیادہ مہمان آ جاتے تو اس دن ان کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں ہوتا تھا اور ان کی خدمت کر کے بے حد خوشی محسوس کرتے تھے۔ اور اس دن ان کا گھر عید کی سی خوشیوں کا گہوارا بن جاتا تھا۔ عید کا دن بڑا بابرکت ہوتا ہے، اس دن ہم رنجشیں اور کدورتیں بھلا کر دوست احباب سے خوشیوں کا تبادلہ کرتے ہیں۔ دوست احباب کو کھانا وغیرہ کھلانا اپنے لیے سعادت سمجھتے ہیں۔

سرسید کا دسترخوان رنگا رنگ اور مختلف قسم کے کھانوں سے مزین نہیں ہوتا تھا اور کھانا عام طور بہت لذیذ اور عمدہ ہوتا تھا۔ عموماً دیکھا گیا ہے کہ جب ہمارے ہاں کوئی خاص مہمان آ رہا ہو تو ہم اس کے لیے انواع و اقسام کے کھانوں کا اہتمام کرتے ہیں۔

امام غزالیؒ کا فرمان ہے کہ:

"مہمان کے روبرو تھوڑا رکھنا بے مروتی اور حد سے زیادہ رکھنا تکبر ہے"

ہمارے دسترخوان کا رنگ بھی مہمانوں کی حیثیت کے مطابق بدلتا رہتا ہے۔ لیکن سرسید کے ہاں اس کی تخصیص نہ تھی سرسید نے کبھی بھی فرمائشی کھانا نہیں پکوایا۔ جو کھانا گھر میں تیار ہوتا وہی دسترخوان پر لگایا جاتا۔ اگر کسی موقع پر کھانا عمدہ نہ ملتا، تب بھی خوشی سے کھا لیتے اور اللہ کا شکر ادا کرتے اور کھانا کسی قسم کی ناگواری، ناپسندیدگی یا نفرت کا اظہار کیے بغیر پیٹ بھر کر کھا لیتے تھے۔ سرسیّد احمد خان کو موسم کی سبزیاں بہت مرغوب تھیں اور ان سے تیار شدہ کھانا انھیں بہت پسند تھا۔ پھلوں میں انھیں خربوزے اور آم پسند تھے۔ خاص طور پر جب آموں کا موسم آتا تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہتی۔ خود بھی آم کھاتے اور دوستوں کو کھلا کر بے حد خوشی محسوس کرتے۔ آم ایک ایسا لذیذ پھل ہے کہ شاید ہی کسی کو ناپسند ہو۔ ورنہ بھی آموں کو بہت زیادہ پسند کرتے ہیں۔ مرزا غالب اور علامہ اقبالؒ بھی آموں کے شیدائی تھے۔

سرسید احمد خان کے جاننے والوں کا قول ہے کہ سرسید کی جوانی میں خوراک زیادہ تھی۔ جب کہ بڑھاپے میں ان کی

خوراک کم ہوگئی تھی۔ سر سید بڑھاپے کی وجہ سے کھانے میں احتیاط کرتے تھے۔ صرف دو وقت کھانا کھاتے تھے۔ اور ساتھ ہی دونوں وقت پاؤ پاؤ دودھ لازمی پیتے تھے کیوں کہ اطبا کی رائے ہے کہ کھانا کھانے کے بعد دودھ پی لیا جائے تو کھانا جلد ہضم ہو کر جزو بدن ہو جاتا ہے۔ اگر کھانا کم کھایا جائے تو حکما کے بقول انسان بیمار نہیں ہوتا۔ شاید اسی لیے سر سید نے کھانے پینے میں توازن رکھا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے صحت مند رہے اور بہت زیادہ محنت و مشقت کے باوجود تھکاوٹ کا شکار نہیں ہوتے تھے۔ کھانا کم کھانا دراصل روحانی اور جسمانی دونوں لحاظ سے صحت کا ضامن ہوتا ہے۔

عبارت نمبر 2:

ظرافت اور خوش طبعی ان کی جبلت میں داخل تھی مگر جس طرح ان کی اور باتوں میں بناوٹ نہ تھی اسی طرح ظرافت اور خوش طبعی میں مطلق تصنع نہ تھا۔ تحریر میں، تقریر میں، بات چیت میں جو لطیفہ یا شوخی ان کو سوجھ جاتی تھی اگرچہ کیسی ہی شرم و حجاب کی بات ہو ان سے ضبط نہ ہو سکتی تھی مگر ہر ایک امر کے بیان کرنے کا خدا نے ایسا سلیقہ دیا تھا کہ کوئی بات تہذیب کی حد سے متجاوز نہ ہونے پاتی تھی۔

سیاق و سباق:

زیرِ تشریح اقتباس سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ دوستوں اور مہمانوں سے سر سید کا دستر خوان کبھی خالی نہ ہوتا تھا۔ کھانے میں جو بھی مل جاتا بغیر ناک منھ چڑھائے کھا لیتے۔ البتہ کھانا کھانے کے بعد کوئی پاؤ پاؤ سیر دودھ دونوں وقت بلاناغہ پیتے تھے۔

زیرِ تشریح عبارت کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ مطالعہ کا شوق انھیں شروع ہی سے تھا۔ اس کے علاوہ خطوں کا جواب دینے میں بڑے فیاض تھے۔ محنت، جفاکشی اور ذہانت بھی ان کی اہم خصوصیات تھیں۔ راست بازی اور اپنے کنبے اور وطن سے حد درجہ محبت رکھتے تھے۔ نواب محسن الملک نے بھی ان کے اوصاف حمیدہ کی تعریف کی۔ مخالفوں اور دشمنوں کے ساتھ ہمیشہ تحمل سے کام لیتے تھے۔ اُنھوں نے اپنا سب کچھ وطن کی ترقی کے لیے قربان کر دیا۔

تشریح:

زیرِ تشریح عبارت میں مصنف نے سر سید کے اوصاف حمیدہ میں سے ظرافت اور خوش طبعی کے بارے میں بتایا ہے۔ لکھتے ہیں کہ سر سید کی فطرت میں ہنسی مذاق اور خوش مزاجی بہت زیادہ تھی۔ ہنسی مزاح اور خوش مزاجی زندہ دل لوگوں کی خاصیت ہوتی ہے۔ کسی مسلمان بھائی سے مسکرا کر ملنا بھی صدقہ ہے۔ خوش مزاجی کے انسانی صحت پر بھی بڑے خوش گوار اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ خوش مزاجی وہی اختیار کرتے ہیں جنھیں زندگی کی اہمیت کا احساس ہوتا ہے۔ بقول شاعر:

مسکراتا ہوں اور جیتا ہوں — زندگی سے مجھے پیار ہے

مردم بے زار اور زندگی سے تنگ لوگ خوش طبعی سے محروم رہتے ہیں حالاں کہ بقول ہیومر:

"مسکراہٹ ایسا نذرانہ ہے جسے غریب سے غریب آدمی بھی پیش کر سکتا ہے"

مصنف مزید لکھتے ہیں کہ سر سید احمد خان فطری طور پر خوش مزاج اور ظریف تھے۔ جس طرح ان کی معمول کی باتوں میں تصنع اور بناوٹ نہ تھی، اسی طرح ان کی ظرافت اور خوش مزاجی میں بھی بناوٹ نہ تھی۔ کیوں کہ تصنع اور بناوٹ کی باتیں غیر مؤثر ہو جاتی ہیں۔ بناوٹ اور مصنوعی گفتگو وقتی طور پر ذہن کو متاثر کرتی ہے، اس لیے عارضی ہوتی ہے جب کہ فطری باتیں دل کو متاثر کرتی ہیں۔ اس لیے دیرپا اور مؤثر ہوتی ہیں۔ ہنسی خوشی کی باتیں ماحول کو خوش گوار بنا دیتی ہیں۔ بقول سر جان لیک:

"دنیا بہتر اور تابناک بن سکتی ہے، اگر لوگوں کو یہ سکھا دیا جائے کہ خوش رہنا اور ہنسنا فرض ہے"

سر سید کی یہ خوبی دوست احباب سے گفتگو کے علاوہ ان کی تحریر اور تقاریر میں بھی نمایاں تھی۔ سر سید کا یہ وصف تھا کہ

تحریر، تقاریر اور بات چیت میں کوئی بھی ہنسی مذاق، ظرافت یا لطیفہ کی بات ذہن میں آجاتی، جس کے بیان کرنے میں شرم وحیا کا پہلو ہوتا تو سرسید احمد خان ضبط نہ کرسکتے تھے اور وہ شوخی کی بات بلا تامل کہہ گزرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے سرسید کو اظہار و بیان کا ملکہ عطا کیا تھا کہ ایسی باتوں میں بھی تہذیب وشائستگی کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ ان کی تمام باتیں تہذیب کے دائرے میں ہی رہتی تھیں۔ ورنہ ہنسی مذاق میں انسان غیر متوازن ہوجاتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا فرمان مبارک ہے کہ:

''جو ہنسی مذاق میں بھی جھوٹ سے بچا اس کے جنتی ہونے کا ضامن میں ہوں''

عام طور پر یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ سرسید مردم بیزار تھے مگر یہ بات غلط ہے۔ مصنف نے سرسید کے ظرافت اور خوش مزاجی کے پہلو کو پیش کر کے یہ تاثر غلط ثابت کردیا ہے۔ دراصل سرسید احمد خان، ہنسی مذاق، خوش مزاجی اور دل لگی جیسے اوصاف سے متصف تھے۔

عبارت نمبر 3:

محنت اور جفاکشی کی قابلیت بھی سرسید کے خاص اوصاف میں سے تھی۔ قطع نظر اس کے کہ ابتدا سے ان کو کام کرنے کی عادت رہی ان کے قویٰ میں فطرتاً مشکلات کے برداشت کرنے اور کسی کام سے ہمت نہ ہارنے کی لیاقت اور استعداد رکھی گئی تھی اور ظاہراً ان کی غیر معمولی ذہانت بھی ان کے دائمی غور وفکر اور دماغی محنت کا نتیجہ تھی کیوں کہ بچپن میں جیسا کہ خود سرسید کے بیان سے معلوم ہوا ہے وہ باعتبار ذہانت وجودت کے اپنے ہم چشموں میں کچھ زیادہ امتیاز نہ رکھتے تھے مگر چوں کہ اُنھوں نے اپنے تمام قویٰ سے جو خدا تعالیٰ نے ان کے نفس میں ودیعت کیے تھے پورا پورا کام لیا تھا اور اس لیے ان کے ذہن وحافظہ اور عقل سب کو جلا ہوگئی تھی۔

سیاق وسباق:

زیر تشریح اقتباس سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ دوستوں اور مہمانوں سے سرسید کا دسترخوان کبھی خالی نہیں ہوتا تھا۔ آم اور خربوزے انھیں نہایت مرغوب تھے۔ ظرافت اور خوش طبعی ان کی جبلت میں تھی۔ مطالعہ کا شوق انھیں شروع سے ہی تھا اور خطوں کا جواب دینے میں نہایت فیاض تھے۔

زیر تشریح اقتباس کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ خطبات احمدیہ لکھنے کے لیے انھوں نے ڈیڑھ سال برابر محنت کی، جس کی وجہ سے ان کے پاؤں میں مرض پیدا ہوگیا۔ جو مرتے دم تک زائل نہ ہوا۔ راست بازی ان کا خاصہ تھی۔ دشمنوں کے ساتھ تحمل کا مظاہرہ کرتے۔ انھیں ہمیشہ اپنے کنبے اور وطن سے حد درجہ محبت رہی۔ ان کی زندگی کا مدار صرف دو ہی چیزوں پر تھا کام اور دوستوں سے ملاقات۔ سیرچشمی اور فراخ دلی بھی سرسید کے خاص اوصاف تھے۔ ان کی یہ ہمت اور حوصلہ انھی کی ذات پر ختم ہوگیا۔

تشریح:

زیر تشریح عبارت میں مصنف لکھتے ہیں کہ سرسید احمد خاں خداداد صلاحیتوں کے مالک تھے۔ ان میں سے خاص وصف محنت اور جفاکشی بھی تھا۔ سرسید بہت محنتی آدمی تھے اور وہ مشکل سے مشکل کام بھی مشقت اٹھا کر کرلیتے تھے۔ ہمیشہ دنیا میں وہی لوگ کامیاب ہوتے ہیں جو محنت کرتے ہیں۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی بغیر محنت کے اعلیٰ منصب اور اعلیٰ مقام تک پہنچ گیا ہو۔ اگر کوئی حادثاتی طور پر یا بے ایمانی کے بل بوتے پر اعلیٰ منصب حاصل کرنے میں کامیاب ہو بھی جاتا ہے تو اس کی یہ کامیابی لمحاتی اور عارضی ثابت ہوتی ہے اور لوگوں کی نظروں میں بھی اس کی کوئی عزت اور وقعت نہیں ہوتی۔ ہمیشہ محنتی آدمی کی لوگوں میں عزت وتکریم ہوتی ہے اور کامیابی اُنھی کے قدم چومتی ہے جو محنت کو اپنی ذات کا خاصہ بنالیتے ہیں۔ بقول ایک فلاسفر:

''کامیابی کا تالا ہمیشہ محنت کی کنجی سے کھلتا ہے''

درحقیقت سرسید کو شروع سے ہی اپنا کام خود کرنے کی عادت تھی۔ فطری طور پر سرسید مضبوط اعضا کے مالک تھے، جنھیں

بروئے کار لا کر انھوں نے مشکلات اور نامساعد حالات کا مقابلہ حوصلہ مندی سے کیا۔ اور زندگی میں جتنی بھی اعلیٰ کامیابیاں اور کامرانیاں حاصل کیں، وہ انھوں نے اپنی حد سے زیادہ محنت اور مشقت کی عادت کی وجہ سے حاصل کیں۔ بقول شخصے:

"مشکلات کا مقابلہ کرنے کا نام زندگی اور ان پر غالب آ جانے کا نام کامیابی ہے"

مصنف لکھتے ہیں کہ خود سرسید کے بیان سے معلوم ہوا ہے کہ وہ اپنے ہم عمر اور ساتھی بچوں سے باعتبار ذہانت اور عقل و فراست، زیادہ امتیازی مقام نہ رکھتے تھے۔ اور ظاہری طور پر غیر معمولی ذہانت بھی ان کی ذاتی محنت، مستقل غور و فکر کی عادت اور دماغی محنت کی وجہ سے تھی۔ کیوں کہ زندگی کے معاملات اور مسائل پر غور و فکر کر کے انسان بہتر فیصلے کرتا ہے۔ چناں چہ سرسید کی زندگی میں جتنی بھی کامیابیوں کا سلسلہ دکھائی دیتا ہے، وہ ان کے مسلسل غور و فکر اور دماغی محنت کی وجہ سے تھیں۔ اور فطرت کی طرف سے عطا کردہ صلاحیتوں اور خوبیوں کا مزاج ہوتا ہے کہ اگر ان کو استعمال میں لایا جائے، تو ان میں اضافہ اور نکھار پیدا ہوتا ہے۔ ورنہ یہ ضائع ہو جاتی ہیں۔ سرسید کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے اللہ کی طرف سے عطا کردہ مضبوط اعصاب اور اعضاء سے بھرپور کام لیتے ہوئے اپنے ذہن حافظہ اور عقل و فراست میں بے پناہ اضافہ کیا اور عظیم کارنامے انجام دے کر عہد ساز شخصیت قرار پائے۔ مسلمان قوم کے لیے ان کی علمی اور تعلیمی خدمات سنہری حروف سے لکھے جانے کے لائق ہیں۔ انور شعور نے بجا کہا ہے کہ:

شعورؔ صرف ارادے سے کچھ نہیں ہوتا عمل ہے شرط ارادے تو سب ہی کرتے ہیں

عبارت نمبر 4: (لاہور 2009، ملتان بورڈ 2008، سرگودھا 13ء)

راست بازی اور وہ تمام اوصاف جو ایک راست باز آدمی میں ہونے ضروری ہیں۔ جیسے صدقِ مؤدت حمیت، دلیری اور آزادی وغیرہ اس شخص کی خصوصیات میں سے تھے۔ اس شخص نے اگر سچ پوچھیے تو اپنی آزادانہ تحریروں سے اردو لٹریچر میں آزادی اور سچائی کی بنیاد ڈال دی۔ اس نے لوگوں کو مجبور کیا کہ سچ بات کہنے میں کسی کی طعن و ملامت سے نہ ڈریں۔ جو بات اس کو حق معلوم ہوئی، اس کے کہنے میں کبھی اس بات کا خیال نہیں کیا کہ دنیا میں کوئی دوسرا شخص بھی اس بات میں اس کے ساتھ اتفاق کرنے والا ہے یا نہیں۔ سرسید کو کوئی بات اس سے زیادہ شاق نہیں گزرتی تھی کہ ان پر راست بازی کے خلاف کوئی الزام لگایا جائے کہ یہ شخص فی الواقع راست بازی کو اپنا دین وایمان سمجھتا تھا۔ سرسید جیسے خود راست باز تھے اسی طرح راست بازوں کی دل سے قدر کرتے تھے۔ دوسرے محبت اور التفات کا مادہ سرسید میں معمولی آدمیوں سے بہت زیادہ تھا اور اسی لیے ان کے تمام تعلقات میں محبت کا ظہور بدرجہ غایت پایا جاتا ہے۔

سیاق و سباق:

زیرِ تشریح اقتباس سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ دوستوں اور مہمانوں سے ان کا دسترخوان کم ہی خالی ہوتا تھا۔ آم اور خربوزے مرغوب تھے۔ ظرافت، خوش طبعی، راست بازی، خطوں کے جواب میں فیاضی، محنت، جفاکشی اور دشمنوں سے تحمل ان کے اعلیٰ اوصاف تھے۔

زیرِ تشریح اقتباس کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ اپنے کنبے اور وطن سے انھیں حد درجہ محبت تھی اور وہ دوستوں کو زندگی کا اہم عنصر سمجھتے تھے۔ غریبوں، پیشہ وروں، نوکروں اور مزدوروں سے ان کا رویہ مشفقانہ ہوتا تھا۔ انھوں نے ملک کی ترقی کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔

تشریح:

زیرِ تشریح عبارت میں مصنف لکھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے سرسید کو بے پناہ خوبیاں، قابلیت، اور اوصاف عطا کیے تھے۔ ان میں سے ایک خوبی راست بازی بھی تھی اور راست باز آدمی جتنے اوصاف کا حامل ہونا چاہیے، وہ ان میں بدرجہ اتم پائے جاتے تھے۔ سچے آدمی کی سب سے پہلی خوبی صدق مؤدت یعنی سچی دوستی یا سچی محبت ہوتی ہے۔ کیوں کہ راست باز آدمی خود بھی سچائی کی اہمیت اور لذت سے

آشنا ہوتا ہے۔ اس لیے اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کے دوست احباب بھی راست بازی کو اپنی زندگی کا شعار بنائیں اور جھوٹ جیسے قبیح گناہ کے مرتکب نہ ہوں۔ راست باز آدمی کی دوسری خوبی غیرت و حمیت ہوتی ہے۔ کیوں کہ راست بازی کی وجہ سے انسان کا ضمیر مطمئن ہوتا ہے اور معاشرے میں اس کی عزت اور قدر ہوتی ہے۔ راست باز آدمی کی تیسری صفت دلیری اور بہادری ہوتی ہے۔ کیوں کہ سچائی انسان کو دلیر اور بہادر بناتی ہے۔ جب کہ جھوٹ انسان کو بزدل بنا دیتا ہے۔ راست باز آدمی میں بھرپور اعتماد ہوتا ہے اور وہ سب کے سامنے سچی بات کہنے میں تامل نہیں کرتا۔ بقول ایک فلاسفر

"صدق یہ ہے کہ ایسے وقت میں بھی سچ بولا جائے جبکہ جھوٹ کے بغیر کوئی چارہ کار نظر نہ آئے"

چوتھی خوبی راست باز آدمی کی آزادی ہوتی ہے۔ کیوں کہ جھوٹ بولنے والے کی آزادی سلب ہو جاتی ہے اور جھوٹ کی وجہ سے وہ سب سے کتراتا ہے۔ اُسے خوف ہوتا ہے کہ کہیں اس کا جھوٹ سب پر عیاں نہ ہو جائے جب کہ راست باز آدمی ان اندیشوں سے آزاد ہوتا ہے۔

مصنف لکھتے ہیں کہ حق وصداقت کی نظر سے دیکھا جائے تو انھوں نے اپنی آزادانہ تحریروں سے اردو ادب میں آزادی اور سچائی کی بنیاد ڈال دی۔ سچائی کی یہ خوبی اُن کی زندگی کا حصہ تھی۔ اس کا ثبوت اُن کی تحریروں سے واضح طور پر ملتا ہے۔ اور اُردو ادب میں سچائی کی روایت کی داغ بیل ڈالنا سرسید کا ایک قابل تحسین کارنامہ ہے۔ انھوں نے دوسرے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کی کہ سچ بولیں اور انھیں مجبور کیا کہ وہ جو سچ سمجھتے ہیں اس کا اظہار کریں۔ حق اور سچ کا دامن نہ چھوڑیں اور سچ بات کہنے میں دوسروں کے بُرا بھلا کہنے سے خوفزدہ نہ ہوں۔ آپ ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے:

"بڑا جہاد یہ ہے کہ انصاف کی بات ظالم حاکم کے روبرو کہہ دی جائے"

سرسید نے دیگر مصنفین کو قائل کیا کہ سچ اور حق وصداقت کو سامنے رکھیں تاکہ لوگ اُن سے مستفیض ہو سکیں۔ سرسید کو جو بات حق معلوم ہوتی اُسے ہر حال میں کہہ دیتے۔ اس بات کی فکر نہیں کرتے تھے کہ دوسرا بھی ان کا ہمنوا بنتا ہے کہ نہیں۔ سرسید احمد خان کو سب سے زیادہ صدمہ اور تکلیف اس بات سے ہوتی تھی کہ کوئی ان کی حق گوئی پر الزام لگائے۔ درحقیقت سرسید سچائی اور حق گوئی کو اپنا دین وایمان سمجھتے تھے۔ جب کہ دین وایمان انسان کو جان سے بھی پیارے ہوتے ہیں۔ سرسید سچائی اور صداقت کو جان سے زیادہ عزیز تصور کرتے تھے۔ ہمیشہ راست باز آدمی ہی سچائی کی اہمیت کو جانتا ہے۔ اسی طرح سرسید خود بھی سچے آدمی تھے اور راست باز آدمی کی دل سے قدر کرتے تھے۔ کسی دانا نے خوب کہا ہے کہ:

"سچ بولنے کے لیے ہمیشہ دو آدمیوں کی ضرورت پڑتی ہے ایک وہ جو سچ بولے دوسرا وہ جو سچائی سے"

سچ بولنا اور اس پر مداومت اختیار کرنا آسان کام نہیں ہوتا۔

فطرت نے سرسید کو محبت اور التفات کا مادہ وافر مقدار میں عطا کر رکھا تھا۔ جس کو وہ بروئے کار لاتے تھے۔ اور اسی طرح اُن کے جن لوگوں سے بھی تعلقات رہے، اُن سے بے پناہ محبت اور انس کا مظاہرہ کیا۔ اور جس سے تعلق قائم کر لیا اس سے ہمیشہ نباہ کر دکھایا۔

عبارت نمبر 5:

اپنے وطن کے ساتھ ہر شخص کو عموماً الفت ومؤانست ہوتی ہے۔ مگر سرسید کی محبت اپنے وطن کے ساتھ عجیب طرح کی تھی۔ گو بظاہر سرسید نے دلی ہمیشہ کے لیے چھوڑ دی تھی۔ ان کے آرٹیکلوں میں یا اسپیچوں اور لیکچروں میں یا پرائیویٹ خطوں میں جہاں کہیں دلی کا ذکر آ گیا ہے ان کا دل اُمڈے بغیر نہیں رہا۔ اگر غور کر کے دیکھا جائے تو سرسید کے دل میں قومی بھلائی کا خیال اور قومی ہمدردی کا جوش زیادہ تر دلی ہی کی تباہی اور بربادی نے پیدا کیا۔ سرسید جیسے ذکی الحس آدمی کے لیے یہ انقلاب ایک تازیانہ تھا۔

دلی کا سناٹا دیکھ کر ایسی چوٹ ان کے دل پر لگی جو رفتہ رفتہ اور آخر کار ناسور بن گئی۔

سیاق و سباق:

زیرِ تشریح اقتباس سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ دوستوں اور مہمانوں سے سرسید کا دسترخوان کم ہی خالی ہوتا تھا۔ ظرافت، خوش طبعی، محنت اور جفاکشی، خطوں کے جواب میں فیاضی اور راست بازی ان کے خاص اوصاف تھے۔

زیرِ تشریح اقتباس کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ سرسید کا دوستوں کے ساتھ بہت اچھا برتاؤ تھا۔ وہ انھیں زندگی کا عنصر سمجھتے تھے۔ مہر و محبت، سیر چشمی اور فراخ دلی، غریبوں، نوکروں اور پیشہ وروں سے محبت، دشمنوں اور مخالفوں سے تحمل بھی ان کے خاص اوصاف تھے۔ انھوں نے اپنا سب کچھ وطن کی ترقی کے لیے قربان کر دیا۔

تشریح:

زیرِ تشریح عبارت میں مصنف لکھتے ہیں کہ اپنے وطن کے ساتھ ہر شخص کو بے پناہ الفت و محبت اور انس و پیار ہوتا ہے۔ بلاشبہ یہ فطری جذبہ ہے اور حبِ وطن ایمان کا حصہ بھی ہے۔ ہر شخص کو اپنے وطن سے محبت ہوتی ہے اور ہونی بھی چاہیے۔ کیوں کہ وطن کی محبت ایک محرک کا کام دیتی ہے اور انسان ملکی تعمیر و ترقی میں بھرپور حصہ لیتا ہے۔ وطن کی محبت کا یہ احساس انسان کو وطن کے لیے ہر طرح کی قربانی کے لیے تیار رکھتا ہے۔ سقراط کا قول ہے:

"وطن کی محبت ہی سب سے بڑی عبادت ہے"

سرسید کی اپنے وطن سے محبت انوکھی اور نرالی تھی۔ سرسید نے علی گڑھ کالج کی بے پناہ مصروفیات کی وجہ سے دلی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ دیا تھا۔ لیکن سرسید کی محبت میں کمی نہ آئی بلکہ اُن کی محبت و الفت میں روز بروز اضافہ ہُوا۔ سرسید کے مضامین میں جہاں کہیں دلی کا تذکرہ آ گیا تو اُن کی محبت کا جوش و جذبہ نمایاں دکھائی دیتا ہے۔ کہیں تقریر کرنے کا موقع مِلا تو دورانِ تقریر اگر دلی کا ذکر آ گیا تو ان کی دلی کے ساتھ محبت کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا نظر آتا ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے جو خطوط دوست احباب کو لکھے ہیں۔ ان میں بھی اگر کہیں دلی کا ذکر آ گیا تو اُن کا لہجہ بڑا بوجھل اور مغموم ہو جاتا ہے۔ خط کے مضمون سے اُداسی اور جُدائی کا تاثر محسوس ہوتا ہے۔ چناں چہ کہیں بھی دلی کا ذکر آ گیا تو اُن کا دل بھر آیا ہے۔

مصنف نے سرسید احمد خان کی دلی سے دلی وابستگی اور بے پناہ محبت کو ہی قومی ہمدردی اور قومی فلاح کا محرک قرار دیا ہے۔ دلی کی تباہی نے سرسید احمد خان کے دل میں یہ خیال پیدا کیا کہ مسلمان جو ہر لحاظ سے اور ہر میدان میں زوال کا شکار ہو چکے ہیں، انھیں دوبارہ اس قابل بنایا جائے کہ ترقی کی راہوں پر گامزن ہوں۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے اپنی بے مثل خدمات پیش کیں۔ جس کی وجہ سے مسلمان قوم اپنے پاؤں پر کھڑی ہونے کے لائق ہوئی۔ مصنف مزید لکھتے ہیں کہ سرسید بہت حساس واقع ہوئے تھے۔ دلی کا خونی انقلاب اُن کے لیے ایک تازیانہ ثابت ہوا۔ دلی جو کبھی خوشیوں اور رونقوں کا گہوارا ہوا کرتا تھا، تباہی کے بعد شہرِ خموشاں میں تبدیل ہو گیا۔ یہ سرسید کے لیے بہت بڑا صدمہ ثابت ہوا اور دل پر ایسی چوٹ لگی جو رفتہ رفتہ اُن کے لیے عمر بھر کا روگ ثابت ہوئی۔

عبارت نمبر 6:

(ملتان بورڈ 2006، فیصل آباد 2006، لاہور بورڈ 13ء سرگودھا 13ء)

اس جبلی مہر و محبت کا مقتضا تھا کہ وہ اپنے رفیقوں اور نوکروں اور لگے بندھوں کو تابمقدور عمر بھر اپنے ساتھ نباہنا چاہتے تھے۔ جس شخص کے قدم ان کے ہاں جم گئے پھر نہ وہ اس کو اپنے پاس سے جدا کرنا چاہتے تھے اور نہ وہ ان سے جدا ہونا چاہتا تھا۔ اوّل تو وہ کسی کی شکایت سنتے نہ تھے اور اگر کوئی کسی ملازم کی کوئی شکایت کرتا تھا تو اس کا کچھ اثر نہ ہوتا تھا۔ ان کے ایک قدیم ملازم کی لوگوں نے ان سے بارہا شکایت کی مگر وہ کسی طرح ان کے دل سے نہ اترا۔ ہمیشہ ان کا معتمد علیہ اور سفر و حضر میں ان کے ہمراہ رہا اور آخر انھیں کی رفاقت میں مر گیا۔

سیاق وسباق:

زیرِ تشریح عبارت سے پہلے مصنف کہتے ہیں کہ دوستوں اور مہمانوں سے ان کا دسترخوان کم ہی خالی ہوتا تھا۔ ظرافت، خوش طبعی، فیاضی، محنت، جفاکشی اور مخالفوں سے تحمل ان کی فطرت میں شامل تھے۔ راست بازی کے تمام اوصاف ان میں موجود تھے۔ سرسید کو اپنے کنبے سے اور اپنے وطن سے بے انتہا محبت تھی۔ ان کا اپنے دوستوں کے ساتھ بڑا ہی اچھا برتاؤ تھا۔

زیرِ تشریح اقتباس کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ سیر چشمی اور فراخ حوصلگی ان کے خاص اوصاف تھے۔ غریب، پیشہ وروں اور مزدوروں کے ساتھ جو برتاؤ تھا وہ قابلِ ذکر ہے۔ مخالفوں کے ساتھ تحمل سے پیش آتے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ انھوں نے اپنا تن، من، دھن وطن پر قربان کر دیا۔

تشریح:

زیرِ تشریح عبارت میں مصنف کہتے ہیں کہ سرسید احمد خان بڑے مہمان نواز اور دوست نواز انسان تھے۔ ان کا اپنا قول تھا کہ دوستی کے آگے رشتہ وقرابت کی کچھ حقیقت نہیں۔ دوست احباب کو اپنی زندگی کا ضروری حصہ اور اثاثہ سمجھتے تھے۔ ان کے دسترخوان پر دوست احباب اور مہمان ضرور ہوتے تھے۔ جس دن زیادہ مہمان ہوتے، اُس دن سرسید کی خوشی دیدنی ہوتی تھی۔ اسی لیے دوستوں اور تعلق داروں کے ساتھ ان کی بے پناہ محبت اور حسنِ سلوک مثالی تھا۔ چناں چہ مصنف یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ ان کی اسی فطری مہر ومحبت کا تقاضا تھا کہ وہ اپنے دوستوں، ملازموں اور متوسلین سے جہاں تک ہو سکتا نباہنے کی بھرپور کوشش کرتے تھے۔ عموماً معاشرے میں کسی بھی حیثیت سے ممتاز لوگ اپنے ملازموں اور نوکروں کو خاطر میں نہیں لاتے اور انھیں کوئی اہمیت نہیں دیتے، اپنے اور ان کے درمیان فاصلہ رکھتے ہیں۔ اگر کوئی امیر آدمی غریب کی مدد بھی کرتا ہے تو ترس کھا کر کرتا ہے۔ لیکن سرسید کا معاملہ ایسا نہیں تھا وہ عام لوگوں اور ملازموں کو بہت اہمیت دیتے تھے۔

ایک مرتبہ جو اُن کے ہاں ملازمت اختیار کر لیتا تو وہ سرسید کے حسنِ عمل اور احسن برتاؤ کی وجہ سے جدا ہونا گوارا نہ کرتا تھا۔ اور نہ ہی سرسید اُسے خود سے جُدا کرنا چاہتے تھے۔ عموماً دیکھا گیا ہے کہ ملازم پیشہ اور نوکر کاہلی اور کام چوری کا ثبوت دیتے ہیں اور اپنے مالکان کے لیے دردِ سر بن جاتے ہیں۔ مالکوں کو ملازموں سے شکوے بھی ہوتے ہیں۔ اسی طرح ملازموں کو بھی اپنے مالکوں سے شکایت ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے مالک اور ملازم کے درمیان تناؤ اور کشمکش کی کیفیت ہوتی ہے۔ جب کہ سرسید کے ملازم ان سے بڑے مطمئن اور خوش تھے۔ پہلی بات تو یہ تھی کہ سرسید اپنے ملازم کے خلاف کسی سے کوئی شکایت وغیرہ سنتے نہیں تھے بلکہ منع کر دیا کرتے تھے۔ اور اگر کوئی ان کے ملازم کے خلاف شکایت کر بھی دیتا تو سرسید پر کوئی اثر نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی ان کے اور ان کے ملازم کے درمیان تعلقات میں فرق آتا۔ سرسید کے قدیمی ملازم کی لوگوں نے کئی بار شکایتیں کیں مگر پھر بھی وہ ملازم ان کی نظروں سے نہیں گرا۔ اور نہ ہی ان کے دل میں اس ملازم کا مقام کم ہوا اور وہ ملازم ہمیشہ ان کا قابلِ اعتماد رہا، سفر میں ہوتے یا گھر میں، دونوں صورتوں میں ان کے ساتھ رہا اور سرسید کی رفاقت اور معیت میں ہی اس جہانِ فانی سے رُخصت ہو گیا۔

عبارت نمبر 7:

(لاہور بورڈ 2008)

سیر چشمی اور فراخ حوصلگی سرسید کے خاص اوصاف میں سے تھے۔ انھوں نے اپنی کمائی سے نہ کبھی مال جمع کرنے کا ارادہ کیا اور نہ اولاد کے لیے کوئی جائیداد خریدی بلکہ جو کچھ کمایا اس کو یا اپنی ضروری آسائش اور سچی عزت اور نیک نامی کے ذرائع میں صرف کیا یا کنبے کی خبر گیری، مستحقوں کی امداد، اولاد کی تعلیم، ملک اور قوم کی بھلائی اور مذہب کی حمایت میں اُٹھایا۔

سیاق وسباق:

زیرِ تشریح اقتباس سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ سرسید کا دستر خوان دوستوں سے کم ہی خالی ہوتا تھا۔ ظرافت اور خوش طبعی ان کی جبلت میں شامل تھی۔ محنت اور جفاکشی بھی خاص خوبی تھی۔ مطالعہ کی عادت انھیں شروع ہی سے تھی اور جفاکشی کی قابلیت بھی سرسید کا اہم خاصہ تھی۔ انھیں اپنے وطن اور کنبے سے بے حد محبت تھی۔

زیرِ تشریح اقتباس کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ ان کے دل میں جس چیز کو پانے کی لہر اٹھی، اسے حاصل کرنے کے لیے روپیا پانی کی طرح بہادیتے۔ غریبوں اور پیشہ وروں سے ہمیشہ ہمدردی کا رویہ اپناتے مخالفوں اور دشمنوں کے ساتھ تحمل سے پیش آتے۔ انھوں نے کبھی دولت جمع نہ کی بلکہ سچ تو یہ ہے کہ انھوں نے وطن کی ترقی کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔

تشریح:

زیرِ تشریح عبارت میں مصنف لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سرسید احمد خان کو بہت سی خوبیوں اور اوصاف سے نوازا تھا۔ اُن کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے خداداد صلاحیتوں سے بھرپور کام لیا۔ انھیں اوصاف میں سے ایک وصف قناعت پسندی بھی تھا۔ یہ وہ خوبی ہے جس کی وجہ سے انسان بہت سے روحانی امراض سے بچا رہتا ہے۔ جیسے حسد، حرص، لالچ اور بہت سی دیگر اخلاقی بیماریوں سے انسان محفوظ رہتا ہے۔ مشکل سے مشکل اور نامساعد حالات میں بھی انسان مطمئن اور قانع رہتا ہے۔ یہ خوبی انسان کو معاشرے میں قابلِ احترام اور قابلِ عزت بناتی ہے اور اپنی عاقبت سنوارنے کے لائق بناتی ہے۔ امام جعفرؒ کا فرمان مبارک ہے

"غذا سے جسم اور قناعت سے رُوح کو راحت پہنچتی ہے"

سرسید احمد خان نے بھی ساری عمر قناعت پسندی کو شیوہ بنا کر رکھا۔ کسی لالچ اور حرص کا شکار نہیں ہوئے۔ زندگی کے سرد و گرم اور نشیب و فراز میں بھی ہوس اور لالچ کے قریب نہیں گئے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے شکر گزار اور مطمئن رہے۔

اس کے علاوہ سرسید کھلے دل والے اور حوصلہ مند تھے۔ کھلے دل والے شخص کی خوبی ہوتی ہے کہ وہ مال و دولت جمع کرنے کا قائل نہیں ہوتا۔ چناں چہ سرسید نے بھی کبھی مال و دولت جمع نہیں کیا۔ حالاں کہ جج کے عہدے سے ریٹائر ہوئے تھے۔ جس کام کا دل میں خیال پیدا ہوتا اس کے لیے بے دریغ روپیا خرچ کرتے تھے۔ اس لیے اپنی اولاد کے لیے نہ مال و دولت جمع کیا اور نہ ہی اُن کے لیے جائیداد وغیرہ خریدی۔ بلکہ جو کچھ بھی سرسید نے کمایا اس کو اپنی ضروری آسائش و آرام اور روزمرّہ کی ضروریات پر خرچ کیا۔ اس کے علاوہ انھوں نے قوم کی بھلائی اور فلاح پر خرچ کر دیا۔ سرسید نے اپنے خاندان کی دیکھ بھال اور خبر گیری پر بھی صرف کیا۔ مستحقوں کی مدد و معاونت، اولاد کی تعلیم و تربیت، ملک اور قوم کی بھلائی اور بہتری اور مذہب کی حمایت و ترقی میں اپنے مال و دولت کو استعمال کیا۔ اور ملک و قوم کی سچی خیر خواہی اور بھلائی کے کاموں میں بے دریغ خرچ کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سرسید برصغیر کے مسلمانوں کو قعرِ گمنامی سے نکالنے میں کامیاب ہوئے۔

عبارت نمبر 8: (ڈیرہ غازی خان بورڈ 2008ء)

ابتدا سے ان کا یہ حال رہا کہ جس کام کی لہر ان کے دل میں اُٹھی۔ اس پر روپیا صرف کرنے میں انھوں نے کبھی پس و پیش نہیں کیا وہ اپنے کھانے، پہننے کے اخراجات میں تنگی کر سکتے تھے اور کرتے تھے مگر اپنے شوق کے کاموں میں انھوں نے کبھی مضائقہ نہیں کیا۔ جس کتاب کی ان کو تلاش ہوئی اگر وہ بیس گنی قیمت پر بھی ملی تو اس کو لیے بغیر نہیں چھوڑا۔

سیاق وسباق:

زیرِ تشریح اقتباس سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ سرسید کا دسترخوان کبھی دوستوں اور مہمانوں سے خالی نہ ہوتا تھا۔ ظرافت اور خوش طبعی ان کی جبلت میں داخل تھی۔ مطالعے کا بے حد شوق تھا۔ خطوں کے جواب دینے میں نہایت فیاض تھے۔ محنت اور جفاکشی کے علاوہ غیر معمولی ذہانت بھی ایک اہم خاصہ تھی۔ راست باز آدمی تھے۔ انھیں اپنے کنبے اور وطن سے بے پناہ محبت تھی۔ سیر چشمی اور فراخ حوصلگی کے علاوہ نوکروں کے ساتھ حسن سلوک بھی ایک اہم صفت تھی۔

زیرِ تشریح اقتباس کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ وہ نوکروں کے ساتھ ہمدردی کا رویہ اپناتے تھے۔ دشمنوں کے مقابلے میں تحمل کا مظاہرہ کرتے، دل لگی اور ہنسی میں اپنا وقت گزارتے تھے۔ انھوں نے اپنا تن، من، دھن سب قوم کو ذلت سے نکالنے کے لیے قربان کر دیا۔

تشریح:

زیرِ تشریح عبارت میں مصنف نے سرسید احمد خان کی کام سے لگن اور شوق کو بیان کیا ہے۔ سرسید کی خوشی بلکہ ان کی زندگی کا انحصار صرف دو چیزوں پر تھا۔ کام اور دوستوں سے ملاقات۔ دوستوں سے ملاقات کر کے بے حد خوش ہوتے تھے وہ فی الواقع دوستوں کو زندگی کا ایک عنصر سمجھتے تھے۔ اس کے علاوہ ان کے ذمہ جو کام ہوتا اُسے بڑی دل لگی اور شوق سے کرتے تھے۔ جس کام کے کرنے کا اُن کے دل میں خیال پیدا ہوتا، اُسے ہر حال میں کرتے اور اُس کے لیے وقت اور روپیہ بے دریغ خرچ کر دیتے تھے۔ روپے پیسے کو اہمیت نہیں دیتے تھے۔ نہ اپنی کمائی سے کبھی مال جمع کیا اور نہ ہی جمع کرنے کا ارادہ کیا۔ نہ ہی اپنی اولاد کے لیے کوئی جائیداد وغیرہ خریدی اور شوق کے کاموں کی تکمیل کے لیے روپیہ خرچ کرتے ہوئے پس و پیش اور ٹال مٹول سے کام نہیں لیتے تھے۔ اپنے کھانے پینے کے اخراجات میں تنگی کر لیتے تھے مگر شوق کے کاموں میں کبھی کوئی مضائقہ اور تنگی نہیں کی۔

مصنف لکھتے ہیں کہ سرسید احمد خان کو مطالعہ کا بے حد شوق تھا۔ اگر مطلوبہ کتاب مل جاتی تو اُسے بیس گنا قیمت پر بھی لے لیتے تھے۔ سرسید کا مطالعہ صرف دل بہلانے یا عبارت کا لطف اٹھانے کے لیے نہیں ہوتا تھا بلکہ مصنف کے خیالات سے اطلاع حاصل کرنا ہوتا تھا۔ کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے جو بات اس میں ان کے کام کی ہوتی تو اس پر پنسل وغیرہ سے نشان لگا دیتے تھے۔ ان باتوں سے سرسید احمد خان کے ذوقِ مطالعہ سے آگاہی ہوتی ہے۔

عبارت نمبر 9: (ملتان بورڈ 2010)

مخالفوں اور دشمنوں کی برائیوں کا تحمل کرنا اور کبھی ان سے انتقام لینے کا ارادہ نہ کرنا یہ بھی سرسید کے اُن اوصاف میں سے تھا، جو ان کی ذات کے ساتھ مخصوص تھے۔ اگرچہ سرسید فطرتاً نہایت عالی ظرف اور عالی حوصلہ پیدا ہوئے تھے اور عفو و اغماض ان کی سرشت میں داخل تھا مگر ان کی ابتدائی روک ٹوک اور حسن ترتیب سے یہ تمام ملکات ان کی طبیعت میں اور زیادہ راسخ ہو گئے تھے۔ نیک اور عاقل ماں نے بیٹے کے دل میں یہ بات ڈالی تھی کہ سب سے بہتر تو یہ ہے کہ بروں کی برائی سے بالکل درگزر کی جائے اور اگر بدلہ ہی لینے کا خیال ہو تو اس بڑے اور زبردست انتقام لینے والے کے انصاف پر چھوڑ دینا چاہیے۔ اسی نے لڑکپن میں یہ سبق پڑھایا تھا کہ برائی کرنے والوں کے ساتھ برائی کرنا خود اپنے آپ کو ویسا ہی بنانا ہے۔

سیاق وسباق:

زیرِ تشریح اقتباس سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ سرسید کا دسترخوان دوستوں اور مہمانوں سے کم ہی خالی ہوتا تھا۔ ظرافت، خوش طبعی، مطالعہ اور خطوں کے جواب میں فیاضی، محنت و مشقت، غیر معمولی ذہانت، راست بازی اور

حسنِ اخلاق ان کے بہترین اوصاف تھے۔ انھیں اپنے کنبے اور وطن سے بے حد محبت تھی۔ نوکروں اور پیشہ وروں کے ساتھ ان کا رویہ بڑا مشفقانہ ہوتا تھا۔

زیرِ تشریح اقتباس کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ وہ قوم کو ذلت سے نکالنے کے لیے حکمرانوں اور امرا سے ملتے تھے۔ انھوں نے تمام عمر مال و دولت جمع نہ کیا بلکہ اپنا سب کچھ وطن کے لیے قربان کر دیا۔

تشریح:

زیرِ تشریح عبارت میں مصنف لکھتے ہیں کہ سرسید احمد خان کی بہت سی خوبیوں اور اوصاف میں سے ایک خوبی یا وصف یہ بھی تھا کہ ان میں حسد اور انتقام لینے کی خواہش بالکل نہ تھی اور یہ خوبی بڑی قابلِ تحسین ہوتی ہے۔ کیوں کہ حسد جیسی بُرائی سے نفرتیں اور عداوتیں تیزی سے پروان چڑھتی ہیں اور معاشرے میں انسانوں کی آپس کی محبت و مروت پامال ہو کر رہ جاتی ہے۔ حسد وہ ناسور ہے جو معاشرے کی جڑوں کو کھوکھلا کر کے آپس میں نااتفاقی کو جنم دیتا ہے۔ جس سے معاشرے کا آرام و سکون تباہ ہو جاتا ہے۔ جب معاشرے کے افراد تحمل سے کام لیں اور دشمنوں اور مخالفوں سے انتقام نہ لیں تو معاشرہ امن اور خوشیوں کا گہوارا بن جاتا ہے۔ سرسید احمد خان بھی اپنے مخالفوں اور دشمنوں کی برائیوں کو برداشت کرتے تھے اور کبھی انتقام لینے کا ارادہ تک نہیں کیا۔ یہ دونوں خوبیاں سرسید کی اہم اور نمایاں خوبیاں ہیں جو انھیں کی ذات سے مخصوص تھیں۔ فطری لحاظ سے سرسید نہایت اعلیٰ ظرف اور بلند ہمت پیدا ہوئے تھے۔ دوسروں کی غلطی سے چشم پوشی کرنا ان کی عادت تھی۔ امام حسینؓ کا فرمان مبارک ہے:

"اعلیٰ درجے کا معاف کرنے والا وہ ہے جو انتقام پر قدرت رکھتے ہوئے عفو و درگزر سے کام لے"

اور جان کشمیری کے بقول: اس کو کہتے ہیں درگزر کرنا — لے سکو اور انتقام نہ لو

پھر سرسید احمد خان نے بھی احتیاط کا دامن تھامے رکھا۔ سرسید احمد خان کی کوششوں اور حسنِ ترتیب سے یہ تمام صلاحیتیں اور عادتیں ان میں زیادہ پختہ ہو گئی تھیں۔ سرسید احمد خان کی کامیابیوں اور خوبیوں کے پس منظر میں سرسید کی والدہ کا بڑا ہاتھ تھا۔ کیوں کہ والدہ کی تربیت کے ابتدائی ایام بڑی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ جس کے ثمرات بڑھاپے تک انسان کی زندگی کا حصہ رہتے ہیں۔ یہ ان کی والدہ کی ہی تربیت تھی کہ سرسید احمد خان اتنے بڑے اور اہم کارنامے سرانجام دینے کے لائق ہوئے۔ ان کی والدہ نے ان کی بھرپور تربیت کی تھی اور ان کے دل میں یہ بات ڈالی تھی کہ ہمیشہ بُروں کی برائی سے کنارہ کش رہو۔ اگر دل میں کسی دشمن کے بارے میں انتقام لینے کا خیال بھی پیدا ہو تو کائنات کے سب سے بڑے منصف یعنی اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دینا چاہیے۔ چناں چہ سرسید احمد خان نے اپنی والدہ کی باتوں کو اپنی زندگی کا معمول بنائے رکھا۔ کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ تحمل اور برداشت سے ہمیشہ کام لیتے اور ہر ایک کے کام آتے اور قوم کے ہمدرد اور غم خوار رہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"اللہ کے نزدیک سب سے محبوب انسان وہ ہے جو اس کی مخلوق کے ساتھ بہتر سلوک کرے"۔

ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

انسان کو انسان سے گر پیار نہیں — انسان ہی کہلانے کا حقدار نہیں

مصنف مزید کہتے ہیں کہ سرسید کی والدہ نے انھیں نصیحت کی تھی کہ بُرے لوگوں کے ساتھ بُرائی سے پیش آنا اپنے آپ کو ویسا ہی بُرا بنانے کے مترادف ہے۔ اس لیے سرسید احمد خان نے بھی دشمنوں کی برائی کا جواب بُرائی سے نہیں دیا۔ اور وہ ایک درخت کی مانند تھے جو اپنی چھاؤں، لکڑی، پھل، پھول اور پتوں سے دوست، دشمن سب کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ ان کی حیثیت اُس پھل دار درخت کی سی تھی جو پتھر مارنے والے کو بھی پھل عطا کرتا ہے۔